www.novelsclubb.com
AYRA MEER
صلیب
از قلم فاطمہ شکیل
:novelsclubb :read with laiba 03257121842

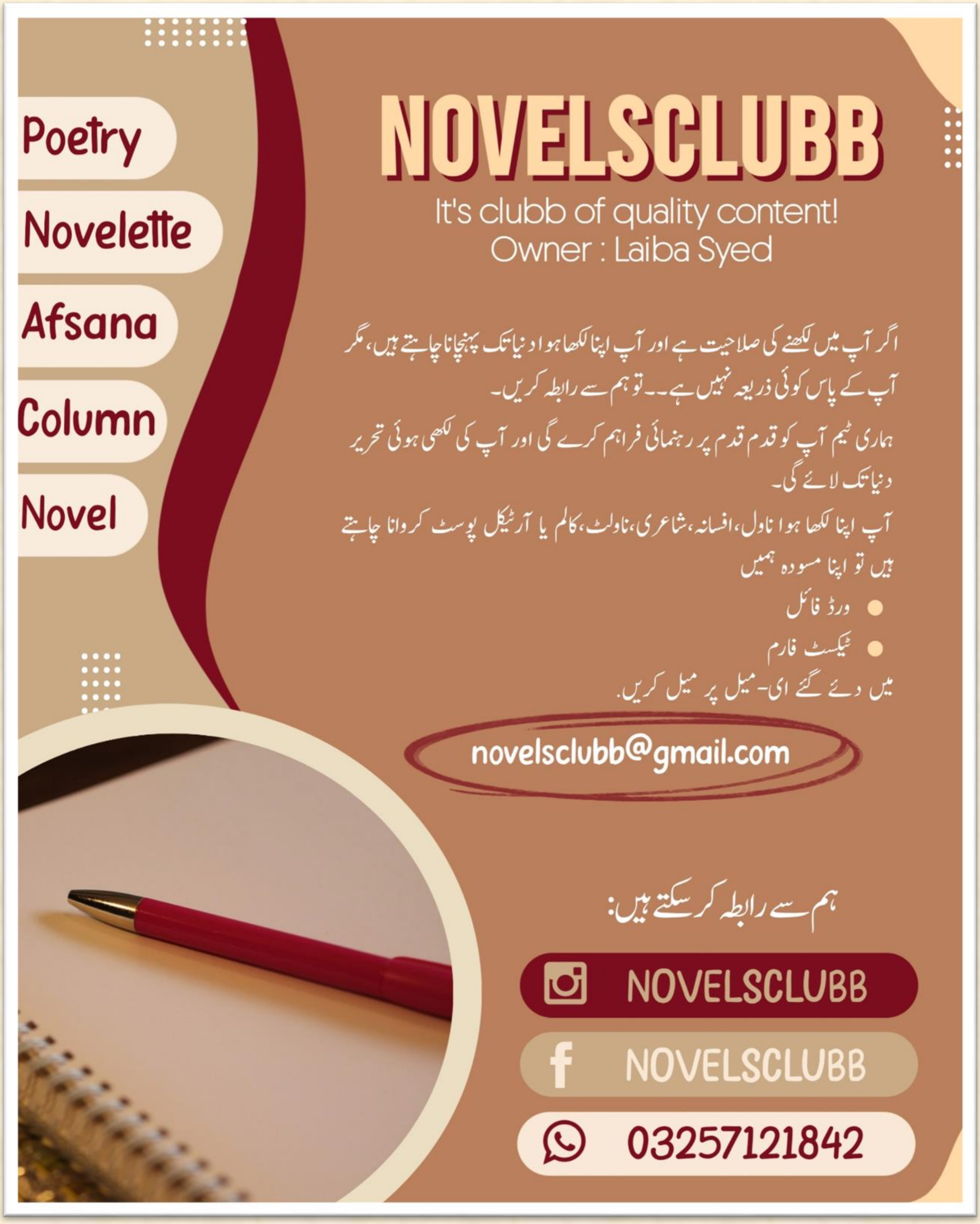
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دیئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

صلیب

از قلم

فاطمہ شکیل

Clubb of Quality Content

ناول "صلیب" کے تمام جملہ حق لکھاری "فاطمہ شکیل" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹ فارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ "ناولز کلب" کا پی ڈی ایف بغیر اجازت پوسٹ کرنا منع ہے، بغیر اجازت کہانی/پی ڈی ایف کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

پیش لفظ:

اُن تمام عورتوں کے نام جو جسمانی تشدد جیسے ظلم کی شکار رہی ہیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content!

میں نے سنا تھا شے جتنی حسین ہو

اتنی خوفناک بھی ہوتی ہے

میرا سُرخ لباس حسین تھا

مگر ہمسفر درندہ نکلا

پھر میں سُرخ خون میں رنگ گئی

میں نے خواب سجائے اُس کے لیے

مگر میری ذات روندی گئی

پھر وہ خواب زہر ہو گئے

ایک گھر کی خواہش تھی مجھے

جسے لحد بنا دیے گیا

پھر میرا دم گھٹنے لگا

ہم ایک دوسرے کا لباس تھے

مگر میرے لباس میں کانٹے اُگ آئے

Clubb of Quality Content

پھر میں زخم زخم ہو گئی

میں نے اپنا دل سونپا تھا اُسے

مگر دل کو مسل دیا گیا

پھر میں مر گئی

از قلم خود)(

بنفشی پھولوں سے سجا حال جھک جھک کر آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہا تھا۔ بھاگ بھاگ کر اٹھکیلیاں کرتے بچوں کے پاؤں زمین پر لگتے معلوم نا ہوتے تھے۔ بلند و بانگ قہقہے لگاتیں دوشیزائیں اپنے بھاری لباسوں کو نزاکت سے سنبھالتی اسٹیج پر بیٹھے دولہے سے محو گفتگو تھیں۔ بزرگ عورتیں دولہے کی خوبرو شخصیت پر نہال ہوتیں، خوشحال مستقبل کی دعائیں دیتی، صدقے واری جاتی نا تھک رہی تھیں۔ اور پھر نکاح کی مقدس رسم ادا کر دی گئی۔ اب انتظار تھا اُس ہمسفر کا جسے تمام عمر سامنے بٹھا کر دیکھا جا سکتا تھا۔ یک دم تمام روشنیاں بجھا دی گئیں، ہر شخص اور ہر چیز اپنی جگہ رک گئی۔ اور بے تاب نظریں ایک ہی جانب اٹھ گئیں۔ اپنے قیمتی سُرخ اور سنہرے عروسی لباس میں ملبوس وہ نمودار ہوئی۔ اور وہاں موجود ہر شخص نے بے ساختہ اُس کی نظر اتاری۔ اُس کے چہرے پے قوس قزح کی

رعنائیاں یہ بتانے کے لیے کافی تھیں کہ "قبول ہے" کہ بول بولے جا چکے تھے، خود کو کسی اجنبی شخص کے حوالے کر دیا گیا تھا، تا عمر ایک شخص کو اپنا ہمسفر چن لیا گیا تھا۔

حال پھر سے روشن کر دیا گیا۔

تالیوں اور سراہتی نظروں کے ساتھ ایک نازک چال چلتی وہ اسٹیج تک پہنچی، اُس نے اپنی سرمئی آنکھیں اٹھائیں۔

سرمئی آنکھیں سیاہ آنکھوں سے جا ملیں۔

اُس کا ہاتھ جو اُس نے بے اختیار ہوا میں اٹھایا تھا تا کہ اُسے تھام لیا جائے، ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

حال کی ساری چھت اُس پر آ گری۔

مستقبل کے سائے بڑھ بڑھ کر حال سے ملنے لگے، ماضی کے سارے خوف سانپ بن کر اُس کے جسم پر لوٹنے لگے۔ سارے کے سارے واہمے سمٹ سمٹ کر اُس کے چہرے پے جمع ہونے لگے اور اُن واہموں کے زیرِ اثر اُس کی آنکھیں سیاہ پڑنے لگیں۔

اُس کے جسم نے کام کرنا چھوڑ دیا، پھیپھڑوں نے سانس کھینچنا چھوڑ دیا، دل نے دھڑکنا چھوڑ دیا۔

وہ وہاں کھڑی کھڑی بھسم ہو گئی۔

کیونکہ اُن سیاہ آنکھوں میں۔۔اُن آنکھوں میں احترام نہیں تھا۔

وہ اُن آنکھوں کے تاثرات جانتی تھی۔۔کسی شکاری کے جال میں من پسند پرندہ پھنس جائے۔۔ہاں وہ وہی تھے۔۔ویسے ہی تھے۔

___

پانچ مہینے بعد۔۔

سمرا کی ڈائری کے چند صفحات:

میں نے غربت دیکھی، بھوک دیکھی، اذیت دیکھی، بے بسی دیکھی۔۔میرا ماضی اتنا تاریک تھا کہ مایوسی میرے حصے مفلوج کرنے لگی تھی۔ مجھ پر زندگی تنگ کر دی گئی لیکن میں نے اُمید نہیں چھوڑی کیونکہ میں ایک بہادر ماں اور ایک عظیم باپ کی بیٹی تھی۔

میرا ایک حصہ مرتا تو میں دوسرے کو اُمید کے اُجالوں سے زندہ کر دیتی۔ میں نے ایک روشن مستقبل کی آس میں ایک زندان نما مکان میں زندگی گزار دی۔ میں نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ میں نے خود کو اتنا یقین دلایا۔۔اتنا یقین دلایا کہ ایک سنہری نصیب کے پرے مجھے کچھ نا دکھتا تھا۔ میں اب بھی۔۔اب بھی تسلیم نہیں کر سکتی کہ میرا حال اتنا سیاہ ہو سکتا ہے۔

لوگ کہتے ہیں جسم کے زخم بھر جاتے ہیں، مٹ جاتے ہیں اُن کی اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی روح کے زخموں کی ہوتی ہے۔ مگر وہ غلط کہتے ہیں۔ جسم کے زخم نا کبھی بھرتے ہیں نا کبھی مٹتے ہیں اور وہ اتنے ہی ازیت دہ ہوتے ہیں جتنے روح کے زخم ہوتے ہیں۔ جب پہلی دفعہ میرے جسم پر نشان چھوڑے گئے تھے تو میں

اتنی حیران تھی کہ مجھے حقیقت تسلیم کرنے میں بہت عرصہ لگا. مجھے لوگوں نے بتایا کہ یہ عام بات تھی بہت عام بات۔ اور یہ کہ خاموشی وقت کے ساتھ سب ٹھیک کر دے گی۔ سو میں نے ان کی بات مان لی اور خاموشی اوڑھ لی۔ لیکن نشان نہیں رکے، وہ بڑھتے ہی رہے۔۔ بڑھتے ہی رہے اور پھر ایک وقت آیا کہ انہوں نے میرے جسم کے ہر عضو کو داغ دار کر دیا۔ اور پھر لوگوں نے مجھے بتایا کہ میں خود ہی اپنے لیے ظالم ہوں۔ یہ تقدیر میں خود اپنے لیے لے کر آئی ہوں۔ انہوں نے صبح شام مجھے یہ یقین دلایا کہ میں سیاہ بخت ہوں اور میں نے مان لیا۔ میں کیسے نہ مانتی، مجھے یہ بات حفظ کرا دی گئی تھی، میرے دل پر نقش کر دی گئی تھی کہ میں ہی بری ہوں اور میرے پاس اسے ماننے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا سو میں نے یقین کر لیا۔

اور اب جسمانی تشدد نے مجھے روند دیا ہے۔ میری ذات کو مٹا دیا ہے۔ میرے مقاصد فوت ہو گئے ہیں اور میں بجھ گئی ہوں۔ میں نے خود کو بھلا دیا ہے۔ اب مجھے اپنے چہرے کے خدوخال یاد کرنے کے لیے آئینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب مجھے تعفن زدہ سانسیں لینے کی عادت ہو گئی ہے۔ جب وہ میرے پاس موجود ہوتا ہے تو مجھے اپنی کھال سکڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ مگر میری زبان زنجیر پا ہو چکی ہے۔ میرے الفاظ گنگ ہو گئے ہیں۔ اب میری گویائی کا واسطہ صرف خاموشی سے ہے اور میری بینائی کا واسطہ صرف اندھیرے سے ہے۔ میری راتیں صدیوں پر محیط ہو گئی ہیں۔ میرے جسم میں سوراخ ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود موت مجھے گلے لگانے پر راضی نہیں ہے۔ میں خودکشی نہیں کر سکتی اور نہ ہی طبعی موت تک خود کو گھسیٹ سکتی ہوں۔

مجھے ہر رات اپنی آنکھیں بند کرنے سے پہلے اپنے زندہ رہ جانے کے خیال سے خوف آتا ہے۔ جب جب وہ میرے قریب آتا ہے مجھے لگتا ہے کوئی میرا جسم نچوڑ رہا ہے اور میرے جسم میں موجود خون کی نالیاں خالی ہوتی جا رہی ہیں۔

مجھے اکثر اپنا ہاتھ اپنی ناک کے قریب لے جا کر اپنے زندہ یا مردہ ہونے کی تصدیق کرنی پڑتی ہے۔

Clubb of Quality Content

میرے سارے ارمان خود کو خود دفنانے لگے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے میں اپنے حلق میں ہاتھ ڈال کر اپنی سانسیں کھینچ دوں، رگوں کو چھید کر اُن میں سے دوڑتا خون بہا ڈالوں۔

مجھے لگتا ہے میرا دل ابھی۔۔ ابھی پھٹ جائے گا تکلیف سے۔ مجھے لگتا ہے دکھ میرے اندر پلنے لگے ہیں۔ جیسے کسی جسم میں کیڑے پڑ جاتے ہیں اور اُس کا ماس کھا کر اُسے کمزور کرتے رہتے ہیں۔۔ بلکل اسی طرح۔ مجھے لگتا ہے اذیت میری ہڈیوں میں گھس گئی ہے، اور اُن ہڈیوں میں سے اب گودا نکلنے لگا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے میں بیچ ہجوم میں کھڑی ہو جاؤں اور چیخوں، بین کروں، اپنا سینا پیٹوں، اپنے بال نوچوں۔۔ میں رو رو کر دیوانوں کی طرح لوگوں کو اپنا حال سناؤں۔ لوگوں کو اپنی داستان سناؤں۔۔ اپنے درد بتاؤں۔۔ اپنے زخم دکھاؤں۔

میرا دل چاہتا ہے زمین پھٹ جائے اور آسمان آ گرے۔ میرے دکھ پر کائنات کو اتنا تو ماتم کرنا چاہیے۔

میری ہوش مندی کو کوئی وحشی لے اُڑا ہے۔ میں کئی بار سوچتی ہوں کہ میں نے کیسے سمجھوتہ کر لیا۔ لیکن جب ذات رد کر دی جائے تو پھر وہ مٹ جاتی ہے۔ نا میری ذات رہی ہے نہ روح۔۔ سو میں نے اس جسم کو بھی مسمار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

___

ایک سال بعد:

یہ منظر ہے شہر سے باہر ایک پر سکون علاقے میں بنے کلینک کا۔ جس کی سفید دیواریں سبز بیلوں سے ڈھکی ہوئی ہیں۔

سیاہ گاڑی میں بیٹھا شخص کچھ دیر اُن بیلوں کو تکتا رہا، اُس کے اضطراب میں کچھ کمی ہوئی تو وہ گاڑی سے باہر نکلا۔ اُس نے سفید شرٹ، سیاہ پینٹ اور سیاہ ہی جوتے زیب تن کر رکھے تھے۔ آنکھوں پر چشما تھا۔ اُس نے کلینک کا دروازہ اندر کی طرف دھکیلا تو ایک گھنٹی کی آواز نے خاموشی میں ارتعاش پیدا کیا۔ وہ غالباً دروازے کے اوپر لگی ہوئی تھی۔ تاکہ آنے والے کی آمد کا معلوم ہو سکے۔ داخل ہوتے ہی اُس کی نظر دائیں طرف بیٹھی ریسیپشنسٹ پر پڑی۔ اُس نے آنکھوں پر سے چشما ہٹایا اور گویا ہوا۔

"السلام علیکم! میری سر سلطان کے ساتھ اپوائنٹمنٹ ہے۔" اُس کے خدوخال سے بے چینی جھلکنے لگی۔

"وعلیکم السلام! آپ کا نام؟" اُس نے فوراً سے کمپیوٹر کی سکرین پر نظریں مرکوز کی۔

"آلیار احمد۔" اُس نے بتایا۔

ریسیپشنسٹ نے ڈیسک پر پڑے فون سے کال ملائی اور اجازت ملنے پر آلیار کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

وہ اندر داخل ہو گیا۔

ڈاکٹر سلطان احمد نے ایک توانا اور قدرے خوبرو مرد کو داخل ہوتے دیکھا تو پہلی نظر اُس کے سفید مخروطی ہاتھوں پر پڑی۔

مختصر تعارف کے بعد جو پہلا سوال پوچھا گیا تھا وہ انتہائی غیر متوقع تھا۔

"کیا آپ کو تشدد پسند ہے؟" بہت نارمل تاثرات کے ساتھ پوچھا گیا تھا۔

دوسری طرف آلیار کے گلے میں ایک گلٹی اُبھر کر معدوم ہوئی۔

"جی۔" ایک لفظی جواب دیا گیا۔

"کس طرح کا، جسمانی یا ذہنی؟" انہوں نے نوٹ پیڈ پر کچھ لکھنا شروع کر دیا تھا۔

آلیار نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں مسلا، خشک ہوتے ہونٹوں پر زبان پھیری اور جواب دیا۔

"دونوں۔" اُس نے نظریں جھکا لیں۔

"آپ کو کیا لگتا ہے، کیا وجہ ہو سکتی ہے؟" نوٹ پیڈ سے نظریں ہٹا کر ڈاکٹر نے پوچھا۔

"میرا۔۔میرا، باپ میری ماں پر تشدد کیا کرتا ہے۔میں۔۔میں اُن جیسا نہیں بننا چاہتا تھا۔لیکن۔۔لیکن میں۔۔میں اُن کا عکس بن گیا ہوں۔میں کیا کروں؟"آنسو قطرہ قطرہ اُس کی ہتھیلیوں پر گرنے لگے۔

ڈاکٹر نے مزید سوال پوچھنے شروع کیے۔

باہر سبز بیلوں پر سے سنہرا پن ختم ہونے لگا اور سبز رنگ مزید سبز ہو گیا۔۔دِن قطرہ قطرہ رات میں ڈھلنے لگا۔

کئی گھنٹوں کی گفتگو کے بعد ڈاکٹر گویا ہوا۔

"دیکھیں آلیار پہلے تو یہ بات حوصلہ کن ہے کہ آپ نے یہاں آنے کا فیصلہ کیا۔اس کا مطلب ہے آپ بدلنا چاہتے ہیں۔آپ کو معلوم ہے کہ تشدد ایک بیماری ہے اور آپ کو اس کا علاج کروانا ہے۔مگر یہ مسئلہ صرف آپ اور میں حل نہیں کر سکتے۔آپ کی وائف جب تک آپ کا ساتھ نہیں دیں گی، یہ رشتہِ بہتر نہیں ہو سکے گا۔"وہ ایک لمحے کے لیے رکے۔

"لیکن میں کیسے، کیسے معافی مانگوں۔۔"اُس کی حالت غیر ہونے لگی۔

"میں آپ سے یہ نہیں کہوں گا کہ یہ آسان ہے۔اس رشتے کو بہتر بنانے کے لیے ہو سکتا ہے ہمیں سال بھی درکار ہوں۔ لیکن پہلا قدم آپ کو اٹھانا ہوگا۔" ڈاکٹر نے مزید کچھ نصیحتیں کیں۔

کچھ دیر کے بعد وہ بھاری دل کے ساتھ کلینک سے نکل آیا۔

___

اُس نے شکست خوردہ قدم اُٹھائے۔

ہر قدم پہ پچھتاووں کی زنجیریں اپنی چھنکار سے سناٹے میں ایک۔خوفناک ساز پیدا کرنے لگیں۔

ظلم کا ہر لمحہ پلٹ پلٹ کر اُس کی بینائی کو دھندلانے لگا اور وہ ماضی کی سولی پر لٹک گیا۔

اُسے اپنے قدموں کی چاپ زہر لگنے لگی۔ کبھی انہی قدموں تلے وہ کسی کی ذات روندا کرتا تھا۔وہ زندگی کی کتاب کے گزر چکے اوراق کو پھر سے پلٹنے لگا اور اُس کا دل چاہا وہ اُن صفحات پر سے اپنا نام و نشان مٹا دے۔اُس کا وجود چور چور ہونے لگا۔

اُس نے بیرونی دروازے سے کمرے کا تک کا سفر کرتے اپنا سیاہ ماضی پھر سے جی لیا۔

اُس نے سارے جہاں کی ہمت مجتمع کر کے کمرے کا دروازہ وا کیا۔

دروازہ چرچراہٹ کرتے ہوئے پیچھے دیوار سے جالگا۔

کمرے میں اندھیرا تھا یا شاید کمرے میں موجود شخص کے اندر سے اندھیرے نکل نکل کر کمرے میں پھیل رہے تھے۔ کھڑکی سے آتی چاند کی روشنی میں ایک عکس نظر آیا۔

اور اُسے اپنے بینا ہونے پہ افسوس ہوا۔

وہاں کھڑکی سے پڑے ایک پچیس سالہ لڑکی کھڑی تھی۔۔ لیکن اُسے دیکھ کر کسی پچاس سالہ بوڑھی، کمزور، نحیف و نزار عورت کا گمان گزرتا تھا۔

اُس کی آنکھیں اندر کو دھنسی ہوئی تھیں، بال بے ہنگم طریقے سے کٹے ہوئے تھے۔ اور کچھ جگہوں پر بال تھے ہی نہیں۔۔ جیسے کسی نے اکھاڑ دیئے ہوں۔ نکلی ہوئی ہڈیوں والا بھدا جسم، دیکھ کر چہرہ پھیرنے کو دل چاہتا تھا۔

اُس کا دل قسمت کی ستم ظریفی پر ماتم کناں ہوا اور وہ بغیر جل کے مچھلی کی طرح تڑپنے لگا۔

اُس نے بے اختیار سینے کو مسلا۔ وہ کھڑے رہنے سے معذور اور گر جانے پر مجبور ہونے لگا۔

یہ احساس ہی دل چیرڑنے والا تھا کہ وہ اس کا مجرم تھا۔ دروازے سے ٹیک لگا کر وہ بیٹھ گیا۔

اُس کا سر اتنا جھکا ہوا تھا، گویا سینے کے ساتھ لگتا معلوم ہوتا تھا۔

اُس نے بولنے کے لیے لفظ کھوجے، مگر زبان لڑکھڑانے لگی۔

بالآخر اُس کے لبوں نے جنبشِ کی۔

"سمرا۔۔" اُسے لگا اُس نے صدیوں بعد اس نام کی بازگشت اپنے ہونٹوں سے سنی تھی۔

لیکن اُسے دکھ ہوا۔۔ وہ اس قابل نہیں تھا کہ یہ نام لینے کی اجازت اُسے دی جاتی۔ اُس کی زبان کیوں نہیں کاٹی گئی۔ اُس کے لب کیوں نہیں سیے گئے۔

اور سمرا کو اپنا نام زہر لگنے لگا۔

"میں۔۔ میں آج ڈاکٹر کے پاس گیا تھا۔ اُس نے کہا ہے کہ یہ سب۔۔ مطلب ہمارا رشتہِ بہتر ہو سکتا ہے۔ ہم خوش ہو سکتے ہیں۔ لیکن مجھے تمہاری ضرورت ہے۔ مجھے معاف کر دو۔ میں۔۔" اُس کی بات کاٹ دی گئی تھی۔

"کس لیے معاف کر دوں؟"اُس نے اچانک سر اٹھایا،اُسے اپنی گردن چٹختی ہوئی محسوس ہوئی۔

اور سمرا یاسین اپنے ہی لفظوں پر حیران ہو گئی۔اُسے عجیب لگا۔کیا ابھی بھی وہ گویائی کے قابل تھی۔کیا ابھی بھی وہ لفظوں سے آشنا تھی؟اُسے اپنی آواز اجنبی لگی۔

اُس نے بھی دیوار سے ٹیک لگا لی اور اپنا سوال جاری رکھا۔

"کس بات کے لیے معافی،اُس رات کے لیے جب تم نے میرے بال نوچے تھے اور میرے منہ پے تھپڑ مارے تھے۔"

آلیار کا دل کانپا،وہ اُسے دیکھنے کی جسارت نہیں کر سکا۔اُس نے نظریں جھکا لیں۔

"یا اُس بات کے لیے جب تم نے سگریٹوں سے میرا جسم داغا تھا۔"

اُس کے لفظ تھے یا صور تھی،آلیار

کے منہ پے طمانچے پڑنے لگے۔

"یا اُس رات کے لیے جب تم نے بیلٹ سے میرے جسم پے نشان چھوڑے تھے۔"

چاند کی چاندنی یک دم سیاہ پڑ گئی۔اور وہ وہاں بیٹھا بیٹھا سفید ہو گیا۔اُس کا دل چاہا وہ خاموش ہو جائے۔

اُس نے بے اختیار اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لیا اور وہ سمٹ سمٹ کر بیٹھنے لگا۔

سمرا نے دیوار چھوڑ کر دو قدم آگے بڑھائے۔

"یا اُس رات کے لیے جب میرے بخار میں تپتے وجود پر تم نے دانتوں کے نشان چھوڑے تھے اور اپنی حوس پوری کی تھی۔"

"نہیں۔۔خاموش ہو جاؤ۔۔خدا کے لیے۔"اُس کا دل چاہا وہ بھاگ جائے مگر اُس کا جسم مفلوج ہونے لگا۔

"یا اُس رات کے لیے جب تم نے میرے منہ پر تھوکا تھا اور مجھے نجاست، بدکردار اور غلاظت کا ڈھیر کہا تھا۔"اُس نے ایک قدم مزید آگے بڑھایا۔

"دور۔۔دور رہو مجھ سے۔پلیز خاموش ہو جاؤ۔"خوف نے اس کے دل ودماغ کو جکڑ لیا۔ظلم کرنے والے کو خوف آنے لگا۔

"یا اُس رات کے لیے جب تم نے میرے ہاتھ جلائے تھے۔"

"بس کردو، مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔چپ ہو جاؤ۔"وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"یاد ہے ایک دفعہ میں نے تم سے پوچھا تھا کہ میرے مرنے کے بعد مجھے کندھا دو گے؟اور تم نے کہا تھا کہ میں نہ تمہیں کندھا دوں گا اور نہ کسی اور کو دینے دوں گا میں تمہاری نجس لاش کسی چلتی سڑک پر پھینک دوں گا اور پھر تمہارے اوپر سے گاڑیاں گزریں گی اور تمہارے عضو جدا جدا ہو جائیں گے تو ان کو اسی کتے اور گدھ کو کھلا دوں گا۔"

وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔اُس کے دماغ کی نسیں پھٹنے لگیں۔

"اس بات کے لیے معافی مانگ رہے ہو؟"وہ بلکل اُس کے قریب آگئ۔

"یااللہ۔۔خاموش ہو جاؤ۔۔میرا۔۔میرا دل بند ہو جائے گا۔۔خدا کا واسطہ ہے۔"اُس نے گردن اٹھا کر اُسے دیکھا،اُس نے لرزتے ہاتھ اُس کے سامنے جوڑے۔اُس کی آنکھیں خوف سے پھٹنے لگیں۔آواز کہیں گلے میں پھنس گئ۔

وہ بے آواز رونے اور چیخنے لگا۔

"معافی مت مونگو مجھ سے۔اور امیدیں چھوڑ دو اس کی کہ کچھ ٹھیک ہو گا۔اس مکان کو غور سے دیکھو،اس کے کونوں میں مجھے آسیب نظر آتے ہیں۔یہ جسمانی تشدد کے اثرات ہیں۔یہ معافی سے ختم نہیں ہوتے۔یہ امر ہیں۔یہ ختم ہو ہی نہیں سکتے۔ہماری نسلیں بھی اس کی وکٹم بنے گی۔اور اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس دلدل سے نکل سکتے ہو تو یہ نہ ممکن

ہے۔میں تمہیں ہر رات وہ ظلم یاد کرواؤں گی جو تم نے مجھ پر کیے۔میں ناخود بھولوں گی نہ تمہیں بھولنے دوں گی۔یہی میرا بدلہ ہے اور یہی تمہاری سزا ہے۔

میں تمہیں ساری عمر رولاؤں گی۔

اس لیے اپنی اُمیدوں کا گلا گھونٹ دو۔وہ اب کسی کام کی نہیں۔" وہ اُس پر جھکی ہوئی تھی۔

پھر وہ بھی اُسی دیوار سے جا کر لگ گئی جہاں کچھ دیر پہلے کھڑی تھی۔اُس کے جاتے ہی وہ بین کرنے کے انداز میں رونے لگا۔

بہت دیر اُس روتے ہوئے مرد کا ماتم زمین اور آسمان نے سنا تھا لیکن نہ آسمان کو ترس آیا تھا نہ زمین کو۔کیونکہ وہ اس کی سزا تھی۔۔ایک پچیس سالہ اپسرا کو برزن کرنے کی سزا۔ باہر اندھیرے کچھ اور بڑھنے لگے تھے۔انہیں دیکھ کر لگتا تھا کہ اب کبھی روشنی اس گھر کا رُخ نہیں کرے گی۔اب وہاں کبھی سویرا نہیں آئے گا۔اب کبھی اُجالا نہیں ہو گا۔

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/ مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ناول کلب
Clubb of Quality Content!

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول،افسانہ،شاعری،ناولٹ،کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک،انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842